نزول مسیح علیہ السلام

ابو ریحان

نام کتاب:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نزول مسیحؑ

تالیف:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابوریحان

تنقیح وتصحیح:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ محمد رضوان حیدر، شاہ بابا

نظر ثانی:۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ محمد امتیاز عثمانی

نوٹ: احادیث کے تمام حوالہ جات islam360 کے مطابق ہیں۔

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدہ حیات ونزول مسیح علیہ السلام

ہمارے مذہبی عقائد میں حیات مسیح علیہ السلام اور نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ بھی من جملہ دیگر عقائد کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد میں شمار کیا جاتا ہے۔حیات مسیح علیہ السلام کا عقیدہ سورہ آل عمران کی آیت 55اور سورہ النساء کی آیت 157-159 میں موجود الفاظ توفیٰ اور رفع سے کشید کیا جاتا ہے۔جبکہ نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ صرف احادیث پر مبنی ہے۔اس عقیدہ کے مطابق جب بنی اسرائیل نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف خفیہ تدبیریں شروع کیں اور آپ کو مصلوب کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تحویل میں لے کر اپنی طرف اٹھالیا۔اس وقت سے تاحال وہ زندہ آسمان پر زندہ موجود ہیں،قرب قیامت میں دجال کا ظہور ہوگا،دجال گھنگھریالے بالوں والا جوان ہوگا،اس کی ایک آنکھ اندھی ہوگی،اور وہ عراق اور شام کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں فساد مچائے گا۔وہ زمین پر چالیس دن تک رہے گا،البتہ ان میں ایک دن ایک سال کے برابر ہوگا۔دجال زمین پر ہوا کی رفتار سے چلے گا۔وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش شروع ہوجائے گی،زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو وہ درخت اگائے گی۔جو اس کی تکذیب اور تردید کریں گے ان کے مال مویشی اس کے ساتھ چلنے لگیں گے،ویران زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکالو،اسطرح آدھی زمین کے خزانے اس کے ساتھ شہد کی مکھیوں کی طرح چلیں گے۔پھر وہ ایک نوجوان کو بلائے گا اور اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کردے گا اس کے بعد وہ اسے دوبارہ بلائے گا تو ہنستا ہوا اس کے پاس آئے گا۔اسی دوران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔وہ دمشق کی جامع مسجد کے شرقی منارہ پر آسمان سے فرشتوں کی مدد سے براہ راست اتریں گے، دو رنگین کپڑے پہنے ہوں گے،جب وہ سر

جھکائیں گے تو یوں لگے گا جیسے قطرے (بالوں) سے ٹپک رہے ہیں، جس کافر کو ان کی سانس کی ہوا لگے گی وہ مرجائے گا اور ان کی سانس وہاں تک پہنچے گی جہاں تک ان کی نظر پہنچے گی، امت اس وقت سخت مصائب اور فتنوں میں گھری ہوگی، یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام دجال کو (دمشق کے) باب لد مقام پر جالیں گے، ان کے ہاتھ میں ایک نیزہ ہوگا جس سے وہ دجال کو قتل کردیں گے 1ے، وہ بحیثیت ایک عادل حکمران صلیب توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل اور جزیہ موقوف کردیں گے 2ے اہل کتاب میں سے کوئی نہیں ہوگا جو ان پر ایمان نہ لے آئے، اور روئے زمین کے تمام لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے، حضرت مسیح علیہ السلام نکاح کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی، وہ زمین پر چالیس سال زندگی گزارنے کے بعد وفات پائیں گے، مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے اور دفن کردیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجیں گے کہ میں نے ایسے بندے نکالے ہیں جن سے لڑنے کی طاقت کسی میں نہیں آپ انہیں بہ حفاظت طور کی طرف لے جایئے 3ے

مزید یہ کہ اس ضمن میں امت میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے دو عقائد رائج ہیں۔ ایک عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک غیر تشریعی نبی کی حیثیت سے اور دوسرے کے مطابق آپ ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔

1ے مسلم: 7373 2ے بخاری: 3448

3ے ابوداود: 4324

عقیدہ حیات ونزول مسیح علیہ السلام پر چند سوالات واعتراضات

چونکہ قرآن میں نزولِ مسیح علیہ السلام کے عقیدے کا مطلقاً ذکر نہیں آیا، بلکہ اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ جہاں تک احادیث مبارکہ کا تعلق ہے تو یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان سے بعید ہے کہ ان کی کوئی بات خلاف قرآن ہو۔ چنانچہ اس عقیدہ پر خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

1۔ اول الذکر عقیدے (غیر تشریعی یا امتی نبی) پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبین ہیں، لہٰذہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی تشریعی وغیر تشریعی نبی کے آنے کا ذکر بھی عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ہے۔ اسی لئے مرزا غلام احمد قادیانی نے یہ دعویٰ کیا کہ میں ایک صاحب شریعت نبی نہیں، بلکہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع (غیر تشریعی) نبی ہوں، جو کہ امت میں متفقہ طور پر ختم نبوت کے خلاف ہے۔

2۔ مذکورہ بالا عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام جزیہ ختم کر دیں گے، حالانکہ قرآن کریم نے اہل کتاب کو ذمی کی حیثیت سے اسلامی ریاست میں رہنے کی اجازت دی ہے، اور اسطرح ان کے جان و مال اور عبادت خانوں کی حفاظت اسلامی حکومت کے ذمہ آتی ہے جس کے عوض ان سے جزیہ وصول کیا جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبین ہیں، آپ کی شریعت میں ترمیم کا حق کسی نبی کو بھی نہیں، اور حضرت مسیح علیہ السلام بحیثیت ایک امتی قرآن میں یہ ترمیم کیسے کر سکتے ہیں؟

3۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام، جزیہ، فدیہ اور قتل خنزیر، روایات سے ثابت شدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق کریں گے، تو یہ کام چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق ہوگا، اس لئے

آپ ﷺ کی اتباع میں ہوگا۔جبکہ احادیث میں تو دجال کے متعلق بھی پیش گوئی موجود ہے کہ وہ مخلوق خدا کو گمراہ کرے گا،تو اس پیشین گوئی کے مطابق جو کچھ دجال کرے گا،کیا وہ بھی شریعت محمدیہ ﷺ کے اتباع میں ہوگا،اس طرح تو مسیح علیہ السلام اور دجال دونوں کی حیثیت اتباع شریعت محمدیہ ﷺ کے مطابق ایک جیسی ہوگی۔نیز بائبل کی خبر کے مطابق جب پہلی مرتبہ آکر تورات کے احکامات منسوخ کیے تھے،تو نبی کہلائے،اسی طرح اگر اس مرتبہ بھی بخاری کی خبر کے مطابق دوبارہ آکر قرآن میں ترمیم کرتے ہیں تو پھر نبی ہوئے نہ کہ امتی۔

4۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک آسمانوں پر زندہ ہیں،ان کے دوبارہ نزول پر تمام غیر مسلم ان پر ایمان لائیں گے اور اسطرح تمام انبیاء علیہم السلام کے آخر میں وفات پاتے ہیں،تو پھر حضرت محمد ﷺ خاتم الانبیاء کیسے ٹھہرے؟ختم نبوت پر ایمان نئے اور پرانے تمام انبیاء کا دروازہ بند کرتا ہے۔

5۔ جن آیات وروایات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھایا جانا ثابت کیا جاتا ہے،حضرت مسیح علیہ السلام کے نزول بعد بھی وہ آیات ان کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا تقاضہ کر رہی ہوں گی،اسے کیسے حل کیا جائے؟

6۔ جن آیات وروایات سے حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان سے نزول ثابت کیا جاتا ہے،ان کے نزول اور وفات کے بعد رفع آسمانی والی آیات وروایات سے اس وقت بھی ان کا آسمان پر ہونا ثابت ہورہا ہوگا کیونکہ ان کی وفات کے بعد قبل قیامت ایک طویل مدت گذرے گی۔یہ تعارض کیسے رفع کیا جائے؟

7۔ دوسرے عقیدے (عادل حکمران) کے مطابق اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک امتی کی حیثیت سے تشریف لاتے ہیں،تو پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ نبی کی بجائے "امتی" ماننے سے ان کی نبوت کا انکار تو لازم نہیں آئے گا؟ کیونکہ سورہ مریم آیت ۳۰ میں ہے (وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا) "اور اللہ نے مجھے نبی بنایا ہے"

نیز اگر امتی تصور کیا جائے تو پھر اس دعوے کا کیا کریں جس کے مطابق تمام اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے۔ کیونکہ جس پر ایمان لایا جائے وہ نبی ہوتا ہے نہ کہ امتی۔

8۔ صحیح مسلم (رقم 7460) میں نزول مسیح علیہ السلام کا واقعہ نہایت تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ جس کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس موقع پر نازل ہوں گے جس وقت مسلمانوں کی فوج قسطنطنیہ کو فتح کر لینے کے بعد دجال کے ظہور کی خبر سن کر مدینہ کی طرف واپس پلٹے گی۔ مسلم کی روایت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا جو وقت متعین کیا ہے وہ قسطنطنیہ کی فتح کے متصل بعد ہے جبکہ یہ وقت گزر چکا ہے کیونکہ قسطنطنیہ فتح ہو چکا ہے۔ مگر نہ دجال ظاہر ہوا، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوئے اور نہ انہوں نے دجال کو قتل کیا۔ قسطنطنیہ 29 مئی 1453 عیسوی بمطابق 20 جمادی الاول 857ھ کو فتح ہو چکا اور تا حال مسلمانوں کے قبضے میں ہے، بلکہ استنبول کے نام سے اسلامی ملک ترکیہ (Turkey) کا دارالحکومت ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی صحیح طور پر نقل ہوتی تو پھر اس میں ادنیٰ درجے میں بھی کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا تھا۔ لیکن مذکورہ واقعہ اس پر قطعی ہے کہ نزول مسیح علیہ السلام اور دجال کے ظہور کی پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درست منسوب نہیں۔ المختصر یہ کہ اس عقیدہ کے نتیجے میں قرآن کی آیات پر اعتراض پیدا ہوتا اور احادیث خلاف واقعہ ٹھہرتی ہیں۔

وفات مسیح علیہ السلام اور قرآن

ذیل میں قرآن کی پانچ آیات پیش کی جا رہی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر دلالت کرتی ہیں۔جن میں سے سورہ آل عمران کی آیت 55 اور سورہ مائدہ کی آیت 117 میں میں بطور خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا ذکر موجود ہے۔

1. تمام انبیاء گزر چکے ہیں (سورہ مائدہ5: 75)

قرآن میں " قَدْ خَلَتْ " سے مراد دنیا سے ہو کر گزرنا موت کے معنوں میں آیا ہے۔سورہ اعراف میں جنوں اور انسانوں کیلئے آیا ہے۔

(قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ)

"فرمایا داخل ہو جاؤ ان انسانوں اور جنات کے گروہوں کے ساتھ آگ میں جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں"(اعراف ۷: ۳۸)

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳۷ور آیت ۱۴۱ میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ ، اسماعیلؑ اور یعقوبؑ کے متعلق دو مرتبہ کے تکرار کے ساتھ اعلان کیا گیا کہ (تلك امت قد خلت) وہ ایک امت تھی جو گزر چکی یعنی فوت ہو چکی ہے۔اسی طرح فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے یعنی وفات پا چکے دیکھئے:

(مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ)

"اورنہیں ہیں مسیح علیہ السلام مگر اللہ کے رسول، ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، ان کی ماں صدیقہ تھیں، وہ دونوں کھانا کھاتے تھے" (مائدہ ۵:۷۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمام رسولوں کے بارے بلا استثنیٰ ایک ہی حکم ہے، کہ وہ سب گذر چکے، وفات پا چکے...... اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ارشاد فرمایا۔

(وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ) "اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہی ہیں، بے شک اس سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے" (آل عمران ۳: ۱۴۴)

قرآن مجید کی اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے تمام رسولوں کے گزر جانے یعنی وفات کا ذکر ہے جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب عیسیٰ علیہ السلام بھی ویسے ہی بلا استثنیٰ گذر چکے ہیں جیسے دوسرے انبیاء وفات پا چکے ہیں..... ان دونوں آیات میں صرف نام مختلف ہے باقی سارا بیان یکساں ہے اگر حضرت مسیح علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھانا مانا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مسیح علیہ السلام سے پہلے جو رسول اور لوگ گذر چکے ہیں وہ بھی آسمان پر زندہ ہیں۔

2. میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا

(وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ)

"اور جب کہا عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام نے کہ اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، کہ مجھ سے پہلے جو (تورات) آچکی ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور میں بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو میرے بعد آئے گا" (الصّف ۶۱: ۶)

اس آیت میں صاف طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اعلان کیا گیا ہے کہ ان کے بعد ایک رسول

آئیں گے جن کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوگا۔ سوچیں احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو قرآن لے کر آ بھی چکے، اب اگر ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام جائیں تو یہ واقعہ اس آیت کے خلاف ہوگا۔ لہٰذہ اس آیت میں "مِنۢ بَعۡدِی" بھی موت کے معنوں میں آیا ہے۔ اور اگر یہ مطلب لیا جائے کہ "مِنۢ بَعۡدِی" سے مراد "رفع الی السماء" کا زمانہ ہے تو زمین پر دوبارہ تشریف آوری کے بعد وہ خود اور تمام مسلمان اس فقرہ کی تلاوت کریں گے تو کیا اس وقت یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت کے بعد بھی کوئی پیغمبر آنے والے ہیں جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہوگا؟

شبہ ۱: قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا بصیغہ ماضی کہیں ذکر نہیں، اور نہ ہی یہ بات صراحت سے بیان ہوئی ہے کہ انہوں نے نازل نہیں ہونا۔

جواب: پہلی بات یہ کہ قرآن میں ایک آیت بھی صراحتاً موجود نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں، اور وہ قرب قیامت نازل ہوں گے .... دوسری بات یہ کہ قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، یونس علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے علاوہ بہت سے دیگر انبیاء کی وفات کا ذکر ہی نہیں، نہ بصیغہ ماضی نہ بصیغہ حال، تو کیا اس کا مطلب بھی پھر یہ لیا جائے کہ مذکورہ انبیاء بھی زندہ ہیں؟...... اور قیامت سے پہلے ان کا بھی دوبارہ نزول ہوگا۔ تیسرا یہ کہ قرآن میں سورہ مائدہ کی آیت ۱۱۷ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا بصیغہ ماضی ذکر بھی موجود ہے (فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِيۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ) (مائدہ۵: ۱۱۷)

شبہ 2: سورہ اعراف میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور سے واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام سے یوں فرمایا (وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ‌ ۚ) "تم نے میرے بعد کتنی بری نمائندگی کی" (اعراف۷:۱۵۰)........ یہاں بھی "من بعدہ" اور "من بعدی" ہے۔ کیا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد یہ سب کیا تھا اور آپ دوبارہ زندہ ہو کر آئے تھے؟

جواب: سورہ اعراف کی پیش کردہ آیت میں واضح قرینہ موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے واپسی پر فرما رہے ہیں کہ من بعدی "میرے بعد" تم نے کتنی میری نمائندگی کی ،تو یہاں واقعتا "میرے بعد" سے مراد موت نہیں بلکہ ان کی غیر حاضری ہے۔لیکن سورہ البقرہ ۲ آیت ۱۳۳ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنی اولاد کو یہ فرمانا کہ "میرے بعد کس کی عبادت کروگے" اور سورہ الصّف آیت ٦ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ "میں بشارت دیتا ہوں ایک نبی کی جس کا نام احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوگا جو میرے بعد آئے گا" ان دونوں آیات میں "من بعدی" سے مراد موت کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں بنتا۔

✡✡✡✡✡✡

3۔روز قیامت اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ

(وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ قَالَ سُبۡحٰنَكَ مَا يَكُوۡنُ لِىۡۤ اَنۡ اَقُوۡلَ مَا لَـيۡسَ لِىۡ بِحَقٍّ اِنۡ كُنۡتُ قُلۡتُهٗ فَقَدۡ عَلِمۡتَهٗ تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ اِنَّكَ اَنۡتَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ(116:5) مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِىۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ وَكُنۡتُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا مَّا دُمۡتُ فِيۡهِمۡ فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ)

"اور جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو معبود بنا لو؟ وہ کہے گا تو پاک ہے، مجھے کہاں زیبا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا۔تو جانتا ہے جو کچھ میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے، یقینا تو ہی غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے۔میں نے انہیں اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب

ہے، اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان پر نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے"(مائدہ۵: ۱۱۶۔۱۱۷)

سورہ مائدہ کی یہ آیت اس گفتگو کو بیان کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان قیامت کے روز نصاریٰ کے بارے میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھیں گے کہ "کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ الٰہ بنا لو؟" یہ اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد عیسائیوں نے آپ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو اللہ کے ساتھ دو اور الٰہ کا شرکیہ عقیدہ اپنایا ہوا ہے۔ چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی امت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تھی، اسلئے یہ سوال بھی اسی امت کے حوالے سے ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بات کی نفی کریں گے کہ میں نے یہ شرکیہ بات نہیں کہی۔

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف دو زمانوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ اپنی وفات سے پہلے کا زمانہ جس میں آپ علیہ السلام اپنی امت پر نگران رہے كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ "میں تو اپنی قوم کے حالات پر اسی وقت تک باخبر رہا جب تک ان کے درمیان موجود تھا" (مَّا دُمْتُ فِيهِمْ) اس میں دوام (تسلسل) ہے یعنی ان میں رہتے ہوئے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي "جب آپ نے مجھے وفات دی" دوسرا زمانہ اپنی وفات کے بعد کا كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ "تو اس کے بعد تو ہی ان کا نگران تھا"

بات واضح ہے کہ اپنی وفات کے بعد اپنی ہی امت کے حالات سے لاعلمی کا اظہار فرما کر سارے حالات کا علم اللہ کے سپرد کر رہے ہیں۔ اگر آپ علیہ السلام کا دوبارہ آنا ثابت ہوتا تو لوگوں کے حالات دیکھ کر آپ کو واقعی علم ہو جاتا کہ ان لوگوں نے مجھے الٰہ بنا رکھا ہے۔ پھر انہیں بتانا چاہئے کہ جب آپ نے مجھے دوبارہ دنیا میں بھیجا تو میں ان کی تمام گمراہیوں سے آگاہ ہو گیا تھا۔

ایک اور طرح سے دیکھئے تو بھی یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کو قطعیت کے ساتھ ثابت کر رہی ہے۔ اس آیت میں عیسائیوں کے عقائد بگڑنے کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے بعد بیان کیا

گیا ہے اور چونکہ وہ نزول قرآن سے پہلے بگڑا ہوا تھا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات بھی نزول قرآن سے پیشتر ہو چکی تھی۔

روز قیامت جہاں باقی معبودان (مشرکوں کے زعم میں) مشرکوں سے اپنی عبادت کی لاعلمی کا اظہار کریں گے، وہیں عیسیٰ علیہ السلام کی گواہی بھی اپنی امت کے بارے میں یہی ہوگی کہ (اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ) "میں تمہاری عبادت سے بے خبر تھا" (یونس ۱۰: ۲۹) جبکہ نزول کے بعد آپ علیہ السلام کو معلوم ہو جائے گا کہ میری امت نے مجھے الٰہ بنا رکھا ہے تو روز قیامت کیوں کر ان سے اپنی عبادت کی نفی کریں گے.....؟

اس آیت میں فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي کے الفاظ بھی صراحت کر رہے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے۔یہی بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کو اپنی امت کے بارے کہیں گے (فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ) "میں جب تک ان میں رہا ان سے باخبر رہا، جب آپ نے مجھے وفات دے دی تو اس کے بعد تو ہی ان کا نگہبان ہے" (بخاری: رقم 3447)

دیکھئے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات کے بعد اپنی امت کی خبر نہیں، ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنی امت کی خبر نہیں۔ اور اگر "تَوَفَّيْتَنِي" کا معنیٰ زندہ اٹھا لینا کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی آسمان پر زندہ موجود ہیں اور ان کا دوبارہ نزول ہوگا۔

4-اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ بے شک میں تجھے وفات اور بلند مرتبہ دینے والا ہوں

(وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ)

"اور ان لوگوں (یہودیوں) نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی، اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اور جب اللہ نے فرمایا کہ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنے ہاں بلند مرتبہ (بلندی درجات) دینے والا ہوں اور تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں، اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں قیامت تک کے لئے ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے انکار کیا" (آل عمران ۳: ۵۴-۵۵)

جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دے کر قتل کرنے کی خفیہ تدبیریں (وَمَكَرُوْا) شروع کیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے جوابی تدبیر فرما کر ان کی سازش ناکام بنا دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا (وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ)......... چنانچہ اپنی تدبیر سے آگاہ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو وعدوں کا ذکر ارشاد فرمایا۔ پہلا وعدہ اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ "بے شک میں تمہیں وفات دینے، اور اپنے ہاں بلند مقام عطا کرنے والا ہوں"........... اور دوسرا وعدہ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ "تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں، اور جنہوں نے تیری پیروی کی انہیں قیامت تک کے لئے ان لوگوں پر غالب کرنے والا ہوں جنہوں نے انکار کیا"

بظاہر یہ وعدہ کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ موت تو ہر ذی روح کو آنی ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بطور خاص یہ وعدہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟....... لیکن اِس وعدہ خداوندی کو اُس پس منظر میں دیکھیں جب یہودی قوم کی اکثریت آپ کو قتل کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ ان حالات میں یہ

کہنا کہ تمہیں قتل کرنے یا سولی دینے کیلئے ان کی کوششیں ہرگز کامیاب نہ ہوسکیں گی، اسطرح طبعی موت کا یہ وعدہ زبردست اہمیت کا حامل بن جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ جو آپ علیہ السلام کے قتل و صلب کے درپے تھے، ہزار کوششوں کے باوجود بھی اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔اس وعدے میں اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ "میں تمہیں وفات دوں گا" ، پہلے اور رَافِعُكَ اِلَیَّ بعد میں آیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ رفع سے پہلے ان کی وفات ہوچکی۔

دوسرا وعدہ یہ ہے کہ "میں تمہیں ان لوگوں کی خفیہ ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھنے والا ہوں" اس سے مراد اگر زندہ جسمانی حالت میں اٹھا کر اہل یہود سے پاک رکھنا مراد لیا جائے تو انسانوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی یہ تدبیر اپنی اہمیت کھودیتی ہے۔اس وعدے کی اہمیت بھی اسی صورت میں باقی رہتی ہے جب اللہ تعالیٰ انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے حضرت مسیح علیہ السلام کو اہل یہود کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رکھیں۔جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کے موقع پر کفار مکہ کے گھیرے سے نکال کر ان کے ناپاک عظائم سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ اس موقع پر بھی قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہی الفاظ دہرائے کہ اللہ کی تدبیر کافروں کے مقابلے میں بہتر ہے۔

(وَ اِذْ يَمْكُرُبِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ) "اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، تیرے خلاف خفیہ تدبیریں کررہے تھے کہ تجھے قید کردیں یا تجھے قتل کردیں، اور وہ خفیہ تدبیر کررہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کررہا تھا اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے" (انفال ۸:۳۰)

دیکھیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو الفاظ ارشاد فرمائے (وَ يَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ) "اور وہ لوگ خفیہ تدبیر کررہے تھے۔اور اللہ بھی خفیہ تدبیر کررہا تھا اور اللہ خفیہ تدبیر کرنے الوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے" اور حضرت مسیح علیہ السلام کے موقع پر بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں (وَ مَكَرُوْا وَ مَكَرَ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ) "اور ان لوگوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر فرمائی، اور

اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے"

ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں سے بچانے کے لیئے آسمانوں پر نہیں اٹھایا تھا بلکہ تدبیر کے مقابلے میں تدبیر ہی اختیار فرمائی تھی۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں بھی تدبیر کے الفاظ قران میں موجود ہیں تو پھر ان قرآنی الفاظ کے ہوتے ہوئے اللہ کے "قانون قدرت" (حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھانا) کا مفہوم اختیار کرنے کی بجائے اللہ کی تدبیر اختیار کرنے کا مفہوم اخذ کرنا قرآن کے زیادہ قریب ہے۔ قرآن سے وہ مفہوم اخذ کرنا جس کا ذکر قران میں موجود نہ ہو، قرآنی الفاظ کو اپنا مفہوم پہنانے کے مترادف ہے۔ ہمیں وہی مفہوم اخذ کرنا چاہیئے جو قران کے الفاظ سے مترشح ہو۔

ایک شبہ:

سورہ آل عمران کی آیت کے الفاظ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ ..... توفی کو موت کے معنی پر محمول کرنے میں مانع ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ موت کی صورت میں روح اور بدن پر مشتمل وہ وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ جس پر رفع کا فعل موثر ہو سکے۔ اس صورت میں ك کی ضمیر مفعولی بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ زندگی کی صورت میں تو ان پر رفع کا فعل موثر ہوسکتا ہے لیکن موت کی صورت میں ان کا ذاتی تشخص باقی نہیں رہتا، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح اور جسد کے دو علیحدہ اجزاء میں منقسم ہو جاتا ہے۔

جواب: یہ دلیل بجائے خود زبان و بیان اور قرآن مجید کے عرف کے خلاف ہے۔ اس میں یہ حقیقت نظر انداز ہوئی ہے کہ زبان نطق ہے، منطق نہیں۔ زبان کے مدعا کو ریاضی کے اصولوں کی طرح علت و معلول سے نہیں طے کیا جاتا، بلکہ عرف و استعمال کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔ معروف اسالیب کو نظر انداز کیا جا ئے تو زبان چیستان بن جاتی اور اپنے بنیادی وظیفے یعنی ابلاغ کو ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

چنانچہ اگر آیت کے الفاظ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ سے یہ دلیل پیش ہے کہ اس میں رفع کے فعل کا اطلاق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا ہے جو روح اور بدن کا مجموعہ ہیں، لہٰذا اس سے آپ کا زندہ اٹھایا جانا لازم ہے۔تو پھر اسی اصول پر اس سے اگلی آیت کے الفاظ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ "پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے" سے یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اس آیت میں رجع کے فعل کا مفعول یہود و نصاریٰ سمیت سب مخاطبین ہیں، جو روح اور بدن کا مجموعہ ہیں، اس لئے ان سب کا زندہ لوٹایا جانا ثابت ہوتا ہے۔

دوسرا شبہ:

اس آیت کے الفاظ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ میں توفیٰ کے فعل کو بلا تامل موت کے معنی میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ موت کے معنی میں اسے مجازی طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے حقیقی معنی اخذ 'الشیء وافیاً ..یا...اخذ شیء بتمامہ یعنی کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کے ہیں ۔کسی جملے میں لفظ کے حقیقی یا مجازی مفہوم کا تعین جملے میں سیاق و سباق اور کلام کے قرائن سے ہوتا ہے۔اس مقام کے قرائن سے واضح ہے کہ یہاں یہ لفظ اپنے مجازی معنی میں نہیں بلکہ حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔چنانچہ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کا معنی یہ ہے کہ میں تم کو پورا پورا لے لوں گا اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو مکمل طور پر اپنی تحویل میں لے لیا۔یعنی ان کے وجود کے دونوں اجزاء...... روح اور بدن...... اللہ کے قبضے میں چلے گئے۔

اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ جملہ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ تک محدود نہیں بلکہ اس کے بعد وَرَافِعُكَ اِلَيَّ کے الفاظ بھی آئے ہیں۔یہ مانع ہیں کہ توفیٰ کو موت کے معنی پر محمول کیا جائے۔یہ الفاظ چونکہ زندگی کو لازم کرتے ہیں اور اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کو موت کے معنی پر محمول کرنے کی صورت میں اضافی اور غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔یہ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ سے اسی صورت مربوط ہو سکتے ہیں جب توفی کو موت کے بجائے پورا وصول کرنے کے معنی پر محمول کیا جائے۔

تیسری وجہ نزول مسیح کی احادیث ہیں جو بالصراحت آپ کی حیات کے تصور کو موکد کرتی ہیں۔ چنانچہ ان قرائن کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں توفیٰ کو اس کے مجازی معنی کی بجائے حقیقی معنی .... پورا پورا لے لینا .... ہی محمول کیا جائے۔

اس اعتراض میں چونکہ لفظ مُتَوَفِّيكَ یا توفیٰ وجہ نزاع ہے اس لئے پہلے ہم اس لفظ کو گرائمر، قرآن اور احادیث کے نظائر سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۞۞۞۞۞۞

لفظ 'توفّی' کا معنی ومفہوم

لفظ توفیٰ کے مفہوم کی تعین سے پہلے ہم زبان کو سمجھنے کے چند اصول دیکھتے ہیں کہ جملے میں کسی لفظ کا مفہوم کس طرح طے کیا جاتا ہے۔ آیا کہ مجرد لغت میں اس کا معنی دیکھ کر مفہوم اخذ کیا جاتا ہے یا کچھ اور باتوں کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ اس کے لئے ہم یہاں صرف دو اصولوں کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں جن سے لفظ توفیٰ کی تفہیم بالکل واضح ہو جائے گی۔

عرف:

زبان کا مسلمہ اصول ہے کہ الفاظ و اسالیب کے مفہوم کا تعین ان کے معروف اور مستعمل معنی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح اس امر کا فیصلہ کہ فلاں سیاق و سباق اور فلاں اسلوب بیان میں لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے یا مجازی میں، اس کا تعین بھی عرف عام سے ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر "انتقال کرنا" اور "منتقل ہونا" ایک ہی مادے پر مبنی مترادفات ہیں۔ دونوں کے معنی

"ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے ہیں"......... لیکن "فلاں صاحب انتقال کر گئے" اور" فلاں صاحب منتقل ہو گئے" کا مفہوم یکساں نہیں ہے۔ پہلا جملہ قطعی طور پر موت کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔اس سے دنیا میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی کا مفہوم اخذ نہیں کیا جا سکتا۔دوسرا جملہ موت کا مفہوم اخذ کرنے میں مانع ہے۔لازم ہے کہ اسے دنیوی زندگی کی کسی منتقلی پر محمول کیا جائے۔ یہ ان جملوں کا معروف معنی ہے۔ اگر کسی واضح قرینے کے بغیر انہیں عرف سے ہٹا کر کوئی اور معنی طے کیا جائے تو وہ متکلم کے مدعا کے بالکل خلاف ہو گا۔

فعل کی نسبت:

ثانیاً جب کوئی فعل کسی جملے میں استعمال ہو تو اس کے مفہوم کا تعین اس کے منسوب الیہ یا مسند الیہ کے حوالے سے ہوتا ہے۔یعنی اس لفظ کی بناء پر ہوتا ہے جس کی طرف وہ فعل منسوب ہو یا مسند ہو۔یعنی کسی جملے میں استعمال ہونے والے فعل کا مفہوم مجرد اس فعل کی بناء پر نہیں بلکہ ان نسبتوں کی بناء پر طے ہو گا جن سے وہ منسوب ہے۔

تفہیم مدعا کے لئے اردو زبان میں روزمرہ استعمال کا ایک عام فعل ....اٹھانا.....بطور مثال درج ہے۔آپ دیکھیں گے کہ فعل ایک ہی ہے لیکن اپنے منسوب الیہ ....فاعل یا مفعول.... کی تبدیلی سے اس کا مفہوم تبدیل ہو گیا ہے۔مثلاً:

1۔لڑکے کو ماں نے اٹھا لیا (یعنی گود میں اٹھا لیا)

2۔لڑکے کو اللہ نے اٹھا لیا (یعنی موت دے دی)

3۔لڑکے نے سامان سر پر اٹھا لیا ہے (یعنی چیزیں سر پر رکھ لی ہیں)

4۔لڑکے نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہے (یعنی اودھم مچا دیا ہے)

اب ان مثالوں میں . . . اٹھانا . . . ایک ہی فعل استعمال ہوا ہے اور اس کے لئے صلہ بھی ایک ہی

....لینا.... آیا ہے مگر فقط فاعل یا مفعول کی تبدیلی سے اس کے معنی بالکل تبدیل ہو گئے۔مطلب یہ کہ جب ہم سنیں گے کہ ....اس نے آسمان سر پر اٹھالیا..... تو سامان سر پر اٹھالیا کے اسلوب کو دلیل بنا کر یہ معنی اخذ نہیں کریں گے کہ ....اس نے آسمان کو اسی طرح سر پر اٹھا رکھا ہے جیسے سامان سر پر اٹھا رکھا تھا.....اسی طرح یہ سن کر کہ .....اللہ نے لڑکے کو اٹھالیا ہے.....یہ نہیں سمجھیں گے کہ اللہ نے اسے زندہ وسلامت آسمان پر منتقل کرلیا ہے، بلکہ یہ سمجھیں گے کہ ....اللہ نے اسے موت دے دی ہے....اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ ماں نے لڑکے کو اٹھالیا ہے، کے جملے میں بھی تو وہی فعل اور وہی اسلوب استعمال ہوا ہے تو وہاں کیوں زندہ گود میں اٹھانے کا مفہوم لیا جارہا ہے؟

لفظ توفیٰ کے مختلف نسبتوں سے مختلف معانی:

یہ امر مسلم ہے کہ توفیٰ کا فعل مختلف نسبتوں کے ساتھ مختلف معانی پر محمول ہوتا ہے۔مثلاً:

1۔جب کسی چیز یا حق کے لئے بولا جائے گا تو کہا جائے گا کہ (توفی حقه توفیا)اس نے اپنا پورا حق لے لیا، یا اس شے (حق) کو مکمل طور پر لے لیا۔

2۔اگر لفظ مدت اس کا مفعول ہو تو اس کے معنی مدت کے پایہ تکمیل کو پہنچنے کے ہوں گے۔ (وتوفیٰ المدۃ) وہ مدت کو پہنچ گیا یا اس نے مدت کو مکمل کرلیا۔

3۔اگر اس کا مفعول عدد القوم ہو تو اس سے مراد لوگوں کو پوری طرح لینا مراد ہوگا (توفی عدد القوم)

4۔توفیٰ کے اس فعل کا فاعل جب اللہ ہو اور مفعول انسان ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ نے اس انسان کی جان قبض کرلی یعنی اسے موت دے دی۔.......... یعنی توفیٰ کے معنی کی تعین لغت میں اس کے معنی دیکھ کر نہیں، بلکہ جملے میں اس کا استعمال دیکھ کر کیا جائے گا۔یہ دیکھا جائے گا کہ جب اس فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول انسان ہو تو زبان کے عرف کے مطابق اسے حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا یا مجازی؟ زبان کا عرف جو فیصلہ کرے گا اسی کو قبول کیا جائے گا۔

اس تناظر میں اب آیت کے الفاظ دیکھئے، ارشاد ہے ۔ یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ "اے عیسیٰ! میں تجھے وفات دوں گا" انی متوفیك سے جملے میں واضح ہے کہ یہاں توفیٰ کا فعل استعمال ہوا ہے۔جس کا فاعل "انی" کی ضمیر متکلم ہے جو اللہ کے لئے آئی ہے۔اور مفعول ک کی ضمیر مخاطب ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے لئے آئی ہے۔یعنی توفی کا فعل اللہ سے صادر ہو رہا ہے اور ایک انسان حضرت عیسیٰؑ پر صادر ہو رہا ہے۔اس صورت میں اس کے معنی قطعی طور پر جان قبض کرنے کے ہوں گے جس کا لازمی نتیجہ موت ہوگا۔چنانچہ عربی زبان و بیان کے لحاظ سے یہاں مسیح علیہ السلام کی وفات کے علاوہ کوئی اور مفہوم مراد لیا نہیں جا سکتا۔

توفیٰ کی قبض روح کے معنی میں قرآن سے مثالیں

قرآن وحدیث میں جہاں بھی لفظ "تَوَفِّیْ" (مادہ: و۔ف۔ی) آیا ہے اگر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول انسان ہے تو اس کا مطلب ہمیشہ موت (حقیقی یا مجازی) رہا ہے۔قرآن وحدیث میں ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جو زبان و بیان کے اس قائدے سے مختلف ہو۔چنانچہ قرآن میں ۲۴ بار (حقیقی) موت کے معنوں میں اور ۲ بار نیند (مجازی موت) کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور جہاں بھی نیند کے معنوں میں استعمال ہوا ہے وہاں کوئی قرینہ ہوتا ہے۔لیکن ان میں کسی ایک جگہ بھی یہ لفظ "رفع" کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔تمام مترجمین ومفسرین نے اس لفظ کے ہر جگہ درست معنی کیے ہیں۔مثلا:

(وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمۡ) (النحل۱۶: ۷۰)

"اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری جان قبض کرے گا" (کنزلایمان: احمد رضا خانؒ)

"اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر وہ تمہیں فوت کرتا ہے" (عبدالسلام بھٹوی)

"اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے" (معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ)

"اور دیکھو اللہ نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے" (تفہیم القرآن: ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

(وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ) (یونس ۱۰: ۱۰۴)

"لیکن میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے" (محمد جونا گڑھی)

" بلکہ میں خدا کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے" (فتح محمد جالندھری)

"لیکن میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں موت سے ہمکنار کرتا ہے" (ڈاکٹر طاہر القادری)

" بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے" (مفتی تقی عثمانی)

(اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا) (الزمر ۳۹: ۴۲)

"اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور ان کو بھی جو نہیں مریں ان کی نیند میں" (عبد السلام بھٹوی)

"اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت اور جو نہ مریں انہیں ان کے سوتے میں" (احمد رضا خانؒ)

" وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے" (تفہیم القرآن: ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

"اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں" (معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ)

اللہ تعالیٰ اپنے جو کام فرشتوں کے ذریعے کرواتا ہے، اسے بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام جب فرشتوں سے جھگڑنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اس بارے فرمایا کہ **یُجَادِلُنَا** "وہ ہم سے جھگڑنے لگے" (ھود ۱۱: ۷۴)............ ذیل کی آیات میں فرشتوں کے ذریعے انسان کو فوت کرنے کا ذکر ہے۔

(اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِہِمْ) (النساء ۴: ۹۷)

"وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے" (احمد رضا خانؒ)

"وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں" (محمد جونا گڑھیؒ)

"وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ برا کر رہے ہیں" (مفتی محمد شفیعؒ)

"جن لوگوں کی جان فرشتے اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھائے ہوئے ہیں"

(تدبرِ قرآن: امین احسن اصلاحیؒ)

(حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡہُ رُسُلُنَا) (الانعام۶: ۶۱)

"یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچتی ہے، اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اسے قبض کر لیتے ہیں" (محمد جونا گڑھی)

"جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے ہمارے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں" (احمد رضا خانؒ)

"یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضہ میں لے لیتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے" (معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ)

"یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اس کے بھیجے ہوئے فرشتے اس کی جان نکال لیتے ہیں" (تفہیم القرآن: ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

(فَکَیۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ) (محمد۴۷: ۲۷)

"تو کیا حال ہو گا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے، ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہوں گے" (عبدالسلام بھٹوی)

"تو کیسا ہو گا جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے ان کے منہ اور ان کی پیٹھیں مارتے ہوں گے" (کنزلایمان: احمد رضا خانؒ)

"پھر کیسا ہو گا حال جبکہ فرشتے جان نکالیں گے ان کی، مارتے جاتے ہوں گے ان کے منہ پر اور پیٹھ پر" (معارف القرآن: مفتی محمد شفیعؒ)

"تو اس وقت کیسا (حال) ہو گا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے" (فتح محمد جالندھری)

(الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ طَیِّبِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ) (النحل۱۶: ۳۲)

"جنہیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ پاک ہوتے ہیں، کہتے ہیں سلام ہو تم پر" (عبدالسلام بھٹوی)

"جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے ستھری (حالت) میں اور وہ کہتے ہیں سلامتی ہو تم پر" (مفتی محمد شفیعؒ)

"وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن میں یہ کہتے ہوئے کہ سلامتی ہو تم پر" (احمد رضا خانؒ)

"ان متقیوں کو جن کی روحیں پاکیزگی کی حالت میں جب ملائکہ قبض کرتے ہیں تو کہتے ہیں سلام ہو تم پر" (تفہیم القرآن: ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

اسکے علاوہ مزید حوالہ جات کے لئے دیکھئے: (النحل ۱۶:۲۸، انفال ۸:۵۰، النساء ۴:۱۵، یونس ۱۰: ۱۰۴، یوسف ۱۲:۱۰۱، آل عمران ۳: ۵۵، یونس ۱۰:۴۶، الرعد ۱۳:۴۰، المومن ۴۰:۷۷)

"تَوَفّٰی" احادیث کی روشنی میں

احادیث میں بھی لفظ "تَوَفّٰی" ہر جگہ موت کے معنوں میں ہی آیا ہے۔ جیسے نماز جناہ میں:

(اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ)

"اور ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ، اور ہم میں سے جسے تو وفات دے تو اسے ایمان پر وفات دینا" (ابن ماجہ: رقم 1498)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم روز قیامت اللہ تعالیٰ سے، اپنے بعد کے حالات سے بے خبری کا اظہار یوں فرمائیں گے

(وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ)

"اور میں ان پر اس وقت تک نگران تھا، جب تک میں ان میں موجود تھا (زندہ تھا) پھر جب تو مجھے وفات دے دی تو ان کا نگران تو ہی تھا" (بخاری: رقم 3447)

دجال کی ہلاکت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پائیں گے تو اس وقت ان کی موت لئے ابو داؤد میں توفی کا ہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

(لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ يَعْنِي عِيسَى .... يُتَوَفَّى فَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ)

" میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے، اور وہ اترنے والے ہیں....... پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے" (ابوداؤد:4324)

اسی طرح بخاری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

(كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيرِ ، .... فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ ، وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً ، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعَرَةً بَيْضَاءَ)

" رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت لمبے نہیں تھے اور نہ آپ چھوٹے قد کے ہی تھے....... تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ وفات کے وقت آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے" (بخاری:5900)

ابن ماجہ کی ایک روایت میں حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوا ہے۔

(....خَلَقَ اللَّهُ فِيهِ آدَمَ وَأَهْبَطَ اللَّهُ فِيهِ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ وَفِيهِ تَوَفَّى اللَّهُ آدَمَ وَ....)

"......اس دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، اسی دن اللہ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا، اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو فوت کیا...... " (سنن ابن ماجہ: 1084)

بیہقی، سنن الکبریٰ کی ایک روایت میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے لئے یہی لفظ توفی کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(فاطال السجود وانا ورائه حتیٰ ظننت ان الله تعالیٰ توفاه)

" آپؐ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے گمان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دے دی" (بیہقی:3936)

توفی اور عربی میں اس کا عمومی استعمال

توفّی عربی زبان کا کثیر الاستعمال لفظ ہے اسماء الرجال کی کتابوں میں لاکھوں مرتبہ آیا ہے۔ محدثین اور فقہا کے تعارف میں یہ لفظ لکھا ہوتا ہے اور اس کا استعمال وفات کے معنوں میں ہی کیا جاتا ہے۔ مثلاً ابن تیمیہ کے تعارف میں لکھا ہوگا المتوفیٰ ۷۲۸ھ اس کا معنی ہے کہ ابن تیمیہؒ کی وفات ۷۲۸ ہجری میں ہوئی۔ یہ بات واضح ہے کہ جتنے بھی لوگ متوفّی ہوتے ہیں ان سب کے جسم تو دنیا میں ہی رہتے ہیں جیسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت یوسف علیہ السلام اور تمام رواۃ حدیث جو دنیا سے چلے گئے، سب کیلئے یہی لفظ **متوفّی** استعمال ہوا ہے ان میں سے کسی کو جسمانی طور پر زندہ آسمان پر اٹھایا جانا نہیں مانا جاتا۔

تَوَفّیٰ اور کسب والی آیات

جو لوگ وفات مسیح علیہ السلام کے قائل نہیں وہ کسب کے بارے آیات کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ چونکہ وَ وُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ ہ "ہر جان کو اس کی پوری پوری کمائی دی جائے گی" (آل عمران ۳:۲۵) اسی طرح وَ اِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ اُجُوۡرَكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ "اور قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے" (آل عمران ۳:۱۸۵) میں " وُفِّيَت " اور "تُوَفَّوۡن " کا مطلب انسان کو اعمال کا پورے کا پورا پورا بدلہ دینا مراد ہے، لہٰذا وہ اعمال والی آیات کو دلیل بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے آیات میں اِنِّیۡ مُتَوَفِّيۡكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ کا مطلب وفات کی بجائے پورا پورا اٹھا لینے سے بدل دیتے ہیں۔

ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اول تو یہاں اُجُوۡرَكُمۡ "اعمال کے بدلہ" کا واضع قرینہ موجود ہے۔ دوسرا توفیٰ کے معنی کے عنوان کے تحت ہم نے اس بات کو دیکھا تھا کہ توفیٰ کا فعل مختلف نسبتوں کے ساتھ مختلف معانی پر محمول ہوتا ہے۔ یعنی جب توفیٰ کسی چیز، مدت یا قوم کے لئے آئے تو اس کا معنی پورا پورا لینا ہی ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کی نسبت میں فاعل اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول انسان ہو تو قرآن، حدیث اور عربی لغت میں ہر جگہ اس کا معنی وفات یعنی موت ہی لیا جاتا ہے۔

توفی بمعنی نیند

قرآن کریم کی آیات واحادیث کے مذکورہ بالا نظائر سے یہ بات پوری طرح متحقق ہوگئی ہے کہ اگر توفی کا فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول انسان ہوتو اس کے معنی وفات، قبض جان یا موت کے ہی ہوتے ہیں۔تاہم اس استدلال پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کے دو مقامات ایسے ہیں جہاں توفی کا فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول انسان ہے، مگر اس کے باوجود یہ فعل موت کے معنی میں نہیں آیا۔اس کے بجائے یہ نیند کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔جو زندگی کی ہی ایک کیفیت ہے۔

(وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّـٰكُم بِالَّيلِ وَيَعلَمُ مَا جَرَحتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبعَثُكُم فِيهِ لِيُقضٰى أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيهِ مَرجِعُكُم ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُم تَعمَلُونَ)

"اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ پھر تمہیں دن میں اٹھاتا ہے کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اسی کی طرف پھرنا ہے پھر وہ بتادے گا جو کچھ تم کرتے تھے" (الانعام٦: ٦٠)

(اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى)

"وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا ہے اس کی روح نیند میں قبض کر لیتا ہے۔پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کے لئے واپس بھیج دیتا ہے" (الزمر ٣٩: ٤٢)

اس آیت میں "توفی" چونکہ پہلی صورت میں اپنے حقیقی معنی (موت) اور دوسری صورت میں مجازی معنی (نیند) میں استعمال ہوا ہے۔لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ، چونکہ موت کی صورت میں تو روح پوری طرح قبض ہو جاتی ہے جبکہ نیند کی صورت میں روح قبض ہونے کے باوجود انسان زندہ رہتا

ہے۔یعنی نیند میں توفیٰ بمعنی روح کو "اٹھالینا" کی صورت میں ہوتا ہے۔اسی طرح انسان کا پورا پورا اٹھالینا بھی مراد لیا جاسکتا ہے،جس کا اطلاق صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہی ہوا ہے۔

عرض ہے کہ اول تو یہاں پر توفیٰ کی صرف دو ہی صورتیں موت اور نیند بیان ہوئی ہیں۔اگر بالفرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر توفیٰ کی دوسری صورت مان بھی لی جائے تو پھر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حالت نیند میں ہونا چاہیئے،جبکہ ایسا کوئی نہیں مانتا۔دوسرا یہ کہ جہاں پر توفیٰ کے معنی نیند مراد لیئے جاتے ہیں وہاں پر نیند کا واضح قرینہ موجود ہے۔سورہ زمر اور سورہ انعام کی درج بالا آیات میں وہ قرائین،جنہوں نے توفیٰ کے فعل کو نیند کے ساتھ خاص کر دیا، فِيْ مَنَامِهَا اور بِالَّيْلِ کے الفاظ ہیں۔اس کے علاوہ جملے کا سیاق وسباق اور جملے کا سلوب بھی اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں نیند کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں لیا جا سکتا۔

تیسری بات یہ کہ قرآن میں جہاں پر بھی توفیٰ انسانوں کیلیئے نیند کے قرینے کے بغیر آیا ہے وہاں پر توفیٰ کا معنیٰ موت ہی ہوتا ہے۔لیکن جن آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے جانے کی تاویل کی جاتی ہے وہاں پر سرے سے کوئی قرینہ موجود ہی نہیں تو پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہیں دوسرے انسانوں کی طرح وفات نہیں بلکہ زندہ آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے۔

۞۞۞۞۞۞

مُتَوَفِّيْك بمعنی مُمِيْتُكَ

مُتَوَفِّيْك کا مطلب وفات دینا امام بخاریؒ سے بھی ثابت ہے۔امام بخاریؒ، ابن عباسؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ مُتَوَفِّيْك کا مطلب موت ہے وَقَالَ ابْنُ عَباس مُتَوَفِّيْك مُمِيْتُكَ" اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مُتَوَفِّيْك کا مطلب ہے مُمِيْتُك (یعنی میں تجھے مار ڈالنے والا ہوں)" (صحیح بخاری جلد دوم، کتاب التفسیر، صفحہ ۸۴۵، مکتبہ رحمانیہ۔ ترجمہ علامہ وحید الزماں)

اس کے علاوہ مزید علماء کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں جنہوں نے توفی کا مطلب موت کے معنوں میں لیا ہے

(يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ)

"اے عیسیٰؑ! میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تمہیں اپنی طرف اٹھا لوں گا" (فتح محمد جالندھری)

"اے عیسیٰؑ! میں تم کو وفات دینے والا ہوں اور میں تم کو اپنی طرف اٹھائے لیتا ہوں" (اشرف علی تھانویؒ)

"اے عیسیٰؑ! میں تیرا وقت پورا کروں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھا لوں گا" (مولانا ابوالکلام آزاد)

توفّی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ہم نے قرآن و حدیث اور عام عربی لغت کے نظائر میں دیکھا کہ جہاں فاعل اللہ ہو اور مفعول انسان ہو کہیں ایک مرتبہ بھی توفیٰ کا معنیٰ زندہ آسمان پر اٹھانے کے معانی میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ ہر جگہ یہ لفظ موت کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ اور یہی الفاظ سورہ آل عمران کی آیت 55 میں اِنِّيْ مُتَوَفِّيْك حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے استعمال ہوئے ہیں۔

(اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا)

"اور جب اللہ نے فرمایا کہ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور اپنے ہاں بلند مرتبہ (بلندی درجات) دینے والا ہوں اور تجھے ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں" (آل عمران ۳: ۵۵)

یٰعِیۡسٰۤی اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ (اے عیسیٰ، میں تجھے وفات دوں گا)......انی متوفیك سے جملے میں واضح ہے کہ یہاں توفی کا فعل استعمال ہوا ہے۔جس کا فاعل انی کی ضمیر متکلم ہے جو اللہ کے لئے آئی ہے۔ اور مفعول ک کی ضمیر مخاطب ہے جو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آئی ہے۔یعنی توفی کا فعل اللہ سے صادر ہو رہا ہے اور ایک انسان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صادر ہو رہا ہے۔اس صورت میں اس کے معنی قطعی طور پر جان قبض کرنے کے ہوں گے جس کا لازمی نتیجہ موت ہو گا۔ چنانچہ عربی زبان و بیان کے لحاظ سے یہاں مسیح علیہ السلام کی وفات کے علاوہ کوئی اور مفہوم مراد لیا نہیں جا سکتا۔اس میں اِنِّیۡ مُتَوَفِّیۡكَ "میں تمہیں وفات دوں گا" پہلے اور رَافِعُكَ اِلَیَّ بعد میں آیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ رفع سے پہلے ان کی وفات ہو چکی ۔مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں چونکہ روایات میں آ گیا ہے کہ آسمان پر زندہ موجود ہیں اسلئے اس لفظ کا ترجمہ "پورا پورا لے لیا گیا" کر دیا جاتا ہے، جو کہ عربی لغت، قرآن اور حدیث کے نظائر کے مطابق درست نہیں۔

اسی طرح سورہ مائدہ کی آیت 117 میں فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ میں بھی فاعل اللہ تعالیٰ اور مفعول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ،لہٰذا تصریف آیات بالا کے مطابق ان آیات میں بھی "توفی" کا معنی وفات ہی ہو گا۔اور سورہ مائدہ کی آیت 117 کا سادہ ترجمہ اسطرح ہو گا۔

(فَلَمَّا تَوَفَّيۡتَنِىۡ كُنۡتَ اَنۡتَ الرَّقِيۡبَ عَلَيۡهِمۡ‌ وَاَنۡتَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ)

"اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تو ہی ان پر نگران تھا،اور تو ہر چیز پر نگران ہے" (مائدہ ۵: ۱۱۷)

۞۞۞۞۞۞

5۔ پیدائش، موت اور دوبارہ زندگی صرف تین مراحل (تمام انسانوں کیلئے)

سورہ مریم میں سیدنا یحییٰ علیہ السلام کے بارے ارشاد ہے (وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا) "اور اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن اس کی موت ہوئی اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جائے گا" (مریم ۱۹:۱۵)......اس آیت میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے وہی تین مرحلے پیدائش، وفات اور پھر حیات بیان ہوئے ہیں جو دنیا کے تمام انسانوں کے مراحل ہیں۔اسی طرح سورہ مریم کی آیت ۳۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے بھی یہی تینوں مراحل بیان ہوئے۔

(وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا)

"اور مجھ پر میری پیدائش کے دن اور میری موت کے دن اور جس دن میں دوبارہ زندہ کھڑا کیا جاؤں گا، سلام ہی سلام ہے" (مریم ۱۹: ۳۳)

درج بالا آیت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے بھی وہی تینوں مراحل بیان فرمائے ہیں جو حضرت یحییٰ علیہ السلام اور دنیا کے تمام انسانوں کیلئے ہیں۔اگر حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھایا اور پھر نازل کیا جاتا تو اس مقام پر وہ دو مزید مراحل یعنی "رفع و نزول" کا ذکر ضرور کرتے، اور ان نعمتوں کیلئے بھی اللہ کے مشکور ہوتے۔قرآن کے اس مقام سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوئی خاص معاملہ نہیں ہوا۔

وفات مسیح علیہ السلام کے قائلین

۱۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ آپ علیہ السلام ۳۳ برس کی عمر میں وفات پا گئے (مجمع البحار فی حکم)

۲۔ جامعہ ازھر کے مفتی محمد عبدہ، آپ کے شاگرد رشید رضا اسی طرح آپ کے شاگرد مراغی، وفات مسیح علیہ السلام کے قائل ہیں (تفسیر المنار: مفتی محمد عبدہ)

۳۔ الشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوھاب پہلی آسمانی کتابوں سے فتح وکامرانی کی نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ صفات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت پر منطبق ہیں، نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام پر کیونکہ ایسا اقتدار مسیح علیہ السلام کو نہ اپنی زندگی میں ملا تھا اور نہ آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے تابعداروں کو ملا ہے" (مختصر سیرۃ رسول: الشیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوھاب)

۴۔ دیوبندیوں کے سرخیل عبیداللہ سندھی "تفسیر الہام الرحمٰن" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فوت شدہ مانتے ہیں۔

۵۔ اہل حدیثوں کے سرخیل مولانا ابوالکلام آزاد بھی وفات مسیح علیہ السلام کے قائل تھے۔

۶۔ مولانا قمر احمد عثمانی ابن شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی اپنی کتاب "عقیدہ ختم نبوت اور نزول مسیحؑ" میں حضرت مسیح علیہ السلام کو فوت شدہ مانتے ہیں۔

۷۔ علامہ اقبال کی فرمائش پر لکھی جانے والی کتاب "انتظار مہدی ومسیحؑ" (علامہ تمنا عمادیؒ)

۸۔ "مسئلہ رفع عیسیٰ علیہ السلام قرآن کی روشنی میں" (اعجاز رسول)

۹۔ "عقیدہ خاتم النبیین" (محمد ھادی)

۱۰۔ "پس آپ علیہ السلام بھی دنیا سے ایسے گزرے جیسے دوسرے انبیاء" (تفسیر بیضاوی: صفحہ ۹۱)

قائلین حیات ونزولِ مسیح علیہ السلام کے دلائل کا جائزہ

نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ قرآن کی کسی آیت سے مطلقاً ثابت نہیں، البتہ قرآن کریم کی بعض آیات کی تعبیرات سے حیات ونزول مسیح علیہ السلام کے عقیدے کے اثبات کیلئے کچھ قرائن وشواہد پیدا کر لئے گئے ہیں۔سورہ آل عمران کی آیت 55 کے الفاظ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ حالت میں آسمان پر اٹھا لیا ہے۔اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تا حال آسمان پر زندہ سلامت موجود ہیں۔سورہ النساء کی آیت 157 میں وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ جبکہ سورہ النساء کہ آیت 159 میں لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اور سورہ زخرف کی آیت 61 میں وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ سے حیات مسیح علیہ السلام کا اثبات کیا جاتا ہے۔

1۔کیا قیامت سے پہلے تمام اہل کتاب حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے؟

(وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا)

”اور کوئی نہیں ہوگا اہل کتاب میں سے کہ وہ ضرور اس (مسیح علیہ السلام) کی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے گا اور وہ (مسیح علیہ السلام) ان پر قیامت کے دن گواہ ہوگا“ (النساء ۴: ۱۵۹)

ہمارے علماء کا موقف یہ کہ آیت میں لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں دونوں مفعولی ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ ہیں۔ان کے مطابق اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر لازماً ایمان لائے گا۔

درج بالا آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری کی ایک روایت بھی پیش کی جاتی ہے۔اس روایت میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب قَبۡلَ مَوۡتِہٖ میں ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا گیا ہے۔جس کے تحت ہر اہل کتاب (یہودی) حضرت مسیح علیہ السلام کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئے گا۔اس آیت میں قَبۡلَ مَوۡتِہٖ میں ضمیر کا مرجع اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا جائے تو اس پر درج ذیل اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

اعتراض اول: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں،روایت میں ان سے منسوب آیت کا ترجمہ اگر درست مانا جائے تو پھر کسی ایک مفسر کو بھی صحابی کے معنی سے اختلاف نہ کرنا چاہیئے۔مگر اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے درمیان کثیر اختلاف ہے۔زمخشری اور مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب نے قَبۡلَ مَوۡتِہٖ میں ضمیر کا مرجع اہل کتاب کو مانا ہے کہ ہر ایک اہل کتاب یہودی اپنی وفات سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام پر ضرور ایمان لے آئے گا۔جبکہ اکثر علماء ومفسرین نے مَوۡتِہٖ کی ضمیر اہل کتاب کی بجائے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف پھیری ہے۔

اعتراض دوم: اگر قَبۡلَ مَوۡتِہٖ میں ضمیر کا مرجع حضرت مسیح علیہ السلام کو مانا جائے تو پھر ماننا پڑے گا کہ نزول قرآن سے اب تک سب کے سب اہل کتاب مومن ہو کر مرے ہیں۔کیونکہ روایتی ترجمہ کے مطابق ہنوز مسیح علیہ السلام زندہ ہیں اور قَبۡلَ مَوۡتِہٖ کا زمانہ بدستور چل رہا ہے۔جبکہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے کہ کئی صدیوں سے جو کروڑوں اہل کتاب (یہودی) اس دنیا سے وفات پا کر جا چکے ہیں،وہ ایمان نہیں لائے ، بلکہ اپنی موت تک بدستور یہودی ہی رہے..... کہا جاتا ہے ہے کہ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام کی وہ موت ہے جو نزول کے بعد ہوگی۔عرض ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت کے سیاق وسباق میں نزول مسیح علیہ السلام کا مطلقاً کوئی ذکر تک نہیں تو پھر کیسے معلوم ہوا کہ ان کی وہ موت مراد ہے جو نزول کے بعد وقوع ہوگی؟

مزید یہ کہ آیت کے الفاظ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ میں حصر ہے۔مثلاً اس جملے ”اہل اسلام میں کوئی

نہیں ہوگا جو توحید پر ایمان نہ رکھتا ہو" میں حصر ہے، متکلم کی مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلم معاشرہ کا فرد ہے وہ توحید پر ضرور ایمان رکھتا ہے یعنی جو توحید پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلم نہیں ہوسکتا۔اس آیت کی رو سے ہر اہل کتاب مراد ہیں، آیت میں حصر کی وجہ سے صرف نزول کے بعد والے اہل کتاب مراد نہیں لئے جاسکتے۔ بصورت دیگر اگر حصر کے عموم میں تخصیص پیدا کر لی جائے تو پھر تشریح اور تحریف میں کیا فرق ہوا؟

اعتراض سوم: پھر اہل کتاب یہودیوں کا حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانا بے معنی ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد سب لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا فرض ہے۔اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے کے معنی یہ ہوئے کہ نزول کے بعد نبوت حضرت مسیح علیہ السلام کی ہوئی نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، کیونکہ ایمان نبی پر لایا جاتا ہے، غیر نبی پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اسی طرح ایمان لانے کے بعد یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت ٹھہریں گے، نہ کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

مزید یہ کہ وَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ لَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا (النساء ۴: ۱۵۹) کے تحت حضرت مسیح علیہ السلام ان لوگوں پر قیامت کے دن گواہ بھی ہونگے۔تو پھر "خاتم النبین" آپ علیہ السلام ٹھہرے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جیسا کہ قرآن میں ہے فَكَيۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا "بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال بتانے والے کو لائیں گے ،اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں پر گواہ پیش کریں گے" (النساء ۴: ۴۱) یعنی اس امت پر گواہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام۔

اعتراض چہارم: قرآن تو صریح الفاظ میں اس بات کی خبر دے رہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے منکر (یہودی) اور پیروکار (عیسائی) قیامت تک رہیں گے وَ اَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَ الۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ "اور ہم نے ان (اہل کتاب) کے درمیان قیامت کے دن تک بغض وعداوت ڈال

رکھا ہے" (مائدہ ۵: ۱۴، ۶۴) ....اورسورہ آل عمران میں ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ "اور تیرے پیروکاروں کو قیامت کے دن تک کافروں پر غالب رکھنے والا ہوں" (آل عمران ۳: ۵۵)

سورہ ہود میں ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ "اور اگر تمہارا رب چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا، مگر وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے" (ھود ۱۱: ۱۱۸) ....اوراورسورہ یونس میں ہے وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ "اور اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرو گے کہ وہ ایمان لے آئیں" (یونس ۱۰: ۹۹)

درج بالا آیات پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ قیامت کے دن تک کافر بھی رہیں گے اور مومن بھی، تو اب کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ ایسا وقت آئے گا کہ سارے اھل کتاب ایمان لے آئیں گے۔

اعتراض پنجم: اور اگر بالفرض حضرت مسیح علیہ السلام آ بھی جائیں تو نزول مسیح علیہ السلام کے قائلین کے نزدیک حضرت مسیح علیہ السلام قیامت کی نشانی ہونے کی بنا پر اہل یہود کا ان پر ایمان لانا انہیں کچھ فائدہ نہ دے سکے گا۔ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا "جس دن تمہارے رب کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی، تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا، یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے" (انعام ۶: ۱۵۸)

آیت کریمہ کا درست مفہوم

سورہ النساء کی آیت ۱۵۷ سے ۱۶۲ تک صرف یہودیوں کا ذکر ہے وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ...... لہٰذا اس پورے رکوع میں جہاں بھی اہل کتاب کا ذکر آیا ہے اس سے مراد صرف یہودی ہیں، نصاریٰ اس میں شامل نہیں۔ جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش تیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی جوابی تدبیر کی وَ اللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ اور اللہ کی تدبیر بہتر تھی ،اس تدبیر کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ طبعی موت دے کر اپنے ہاں بلند کیا،اور اسطرح یہودیوں کی سازش کو ناکام بنا دیا،لیکن یہودی ابھی تک اسی غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر قتل کیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ان کے اس دعوے کی حیثیت سوائے ظن کی پیروی کے اور کچھ نہیں۔لیکن ان اہل کتاب یہودیوں کی حالت وہی رہی ،وہ اپنے موقف سے تائب ہونے کی بجائے مرتے دم تک اسی عقیدہ پر قائم رہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو سولی دے کر قتل کر دیا وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ان پر گواہ ہوں گے اور ان کے اس جھوٹے دعوے کے خلاف گواہی دیں گے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ کا مطلب:

یہاں لَيُؤْمِنَنَّ سے مراد سلامتیِ ایمان نہیں بلکہ اس سے مراد یہودیوں کا اپنے موقف پر یقین ہے، جو وہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ "ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ کے رسول تھے قتل کر دیا" (النساء ۴:۱۵۷)......بِهٖ کی ضمیر یہودیوں کے اسی قول کی طرف لوٹتی ہے۔ یہودی اپنی ناکامی سے بے بہرہ اسی پر یقین رکھے ہوئے ہیں حالانکہ نہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر سکے نہ صلیب دے سکے۔

یُؤۡمِنَنَّ صرف ایمان بالاسلام کے معنوں میں ہی استعمال نہیں ہوتا بلکہ کسی بات کے ماننے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً

(قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکُمۡ)

"(اے نبیؐ) کہہ دیجیے عذر مت کرو، ہم ہرگز تم پر یقین نہ کریں گے"(التوبہ ۹: ۹۴)

(اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ)

"کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا وہ بتوں اور شیطان کو مانتے ہیں"(النساء ۴: ۵۱)

(اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ ھُمۡ یَکۡفُرُوۡنَ)

"تو کیا باطل پر اعتقاد رکھتے اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں؟"(النحل ۱۶: ۷۲)

قَبۡلَ مَوۡتِہٖ سے مراد ہر لمحہ، ہر ساعت

قَبۡلَ مَوۡتِہٖ کا اشارہ بھی یہودیوں کی طرف ہے کہ وہ اپنی موت سے پہلے تک اسی موقف پر جمے رہتے ہیں۔ یہاں قَبۡلَ مَوۡتِہٖ سے مراد صرف موت سے پہلے کا لمحہ نہیں بلکہ ان کی موت تک کا ہر لمحہ مراد ہے جس میں وہ اپنا یہ عقیدہ بنائے رہتے ہیں اور اس پر قائم رہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا...... دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ قَبۡلَ مَوۡتِہٖ میں یہودیوں کے اپنے عقیدے پر دوام کی طرف اشارہ ہے، کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اپنے جس موقف کا اظہار اپنی زندگی میں کرتے ہیں اسی پر وہ اپنی موت تک قائم رہتے ہیں۔

یعنی سورہ النساء کی آیت ۱۵۹ کے سیاق میں عقیدہ صلیبِ مسیح علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اور مشاہدہ کے مطابق ہر یہودی موت کے آخری دم تک اس عقیدہ پر قائم رہتا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب دے کر قتل کیا۔ لہٰذا اس آیت میں لَیُؤۡمِنَنَّ بِہٖ کی ضمیر عقیدہ صلیبِ مسیح علیہ السلام کی طرف اور قَبۡلَ مَوۡتِہٖ کی ضمیر کو اہل کتاب یہود کے ہر ہر فرد کی طرف راجع ماننے سے آیت کریمہ کا سیدھا

سادہ ترجمہ اسطرح ہوگا:

(وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا‌ۚ)

"نہیں ہوگا اہل کتاب (یہود) میں سے کوئی فرد جو اپنی موت سے پہلے (ہر ساعت صلیب مسیحؑ پر) ایمان نہ رکھتا ہو، اور وہ (حالانکہ مسیحؑ) قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دیں گے" (النساء ۴: ۱۵۹)

✡✡✡✡✡✡

2۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں؟

(وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا)

"بلا شبہ وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی نشانی ہے تو تم اس میں ہرگز شک نہ کرو" (الزخرف ۴۳: ۶۱)

سورہ زخرف کی آیت 61 میں جمہور مفسرین کے نزدیک وَاِنَّهٗ کی ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے ۔یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ایک علامت ہیں قیامت کے لئے ۔اور اس سے مراد ان کا آسمان سے نزول فرمانا ہے، یعنی آپ قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے۔اور یہ آیت روایات میں مذکور نزول مسیح علیہ السلام کے واقعے کی تائید کرتی ہے۔اسطرح اُن کا آنا قیامت کے لئے ایک عظیم نشانی ہے۔تفسیر ابن کثیر میں بیان ہوا ہے:

"یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں، اس لئے کہ اس آیت سے پہلے آپؑ کا بیان چلا آرہا ہے، اور یہ واضح رہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے پہلے کا نزول مراد ہے۔جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ) یعنی ان کی موت سے پہلے ہر ایک اہل کتاب ان پر ایمان لے آئے گا، یعنی حضرت عیسیٰؑ کی موت سے پہلے" (تفسیر ابن کثیر:631/4)

اعتراض اول: اس آیت کے مخاطب چونکہ کفارِ مکہ ہیں، اگر اس آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کو قیامت کی نشانی قرار دیا جائے تو ان کا دوبارہ آنا تو قیامت کے علم کا ذریعہ صرف ان

لوگوں کیلئے بن سکتا ہے جو اس زمانہ میں موجود ہوں گے یا اس زمانہ میں پیدا ہوں گے۔ کفار مکہ کیلئے آخر وہ کیسے ذریعہ علم قرار پا سکتے تھے کہ مشرکین کو خطاب کر کہ یہ کہنا فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا "پس تم اس میں شک نہ کرو"

اعتراض دوم: قبل قیامت نزول مسیح علیہ السلام کا نزول ماننے سے ان تمام آیات کی نفی ہو جاتی ہے جن میں قیامت کا اچانک آنا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت کا علم عطا نہ کرنا اور قیامت کو اپنے (اللہ) کے سوا ہر ایک سے چھپا لینے کا ذکر ہے، قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قیامت کی کوئی نشانی نہیں بتائی، بلکہ قیامت تو اچانک بر پا ہو گی۔

(يَسْئَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْئَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ)

"یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا آپ فرما دیں کی اس کا علم صرف میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کو اللہ کے سوا اور کوئی ظاہر نہ کرے گا وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا حادثہ ہوگا، وہ تم پر اچانک آ پڑے گی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسطرح پوچھتے ہیں کہ گویا آپؐ تحقیق کر چکے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم خاص اللہ ہی کے پاس ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے" (اعراف ۷: ۱۸۷)

(فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنّٰى لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرٰهُمْ)

"اب تو یہ لوگ قیامت کے ہی منتظر ہیں کہ اچانک واقع ہو، سو اس کی نشانیاں آ چکی ہیں پھر جب وہ ان پر آ نازل ہو گی اس وقت انہیں نصیحت کہاں فائدہ دے گی" (محمد ۴۷: ۱۸)

ان آیات سے دو باتیں ثابت ہوئیں، ایک یہ کہ قیامت اچانک آئے گی اور دوسرا قیامت کی نشانیاں

آ چکی ہیں۔سورہ جن میں ہے قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا "کہہ دو کہ جس (دن) کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ نزدیک ہے یا میرے رب نے اس کے لئے مدت دراز کردی ہے"(سورہ الجن ۷۲: ۲۵)

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت کی نزدیکی یا دوری سے لاتعلقی کا اظہار فرما رہے ہیں، جبکہ نزول مسیح علیہ السلام کے قائلین کو علم ہے کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام نہیں آئیں گے قیامت دور ہے اور جب وہ آجائیں گے تو قیامت قریب ہوجائے گی (العیاذ باللہ)

اگر بالفرض حضرت مسیح علیہ السلام کو قیامت کی نشانی متصور کرلیا جائے تو پھر جو پہلے مومن نہیں تھا اب اس کا ایمان لانا فائدہ مند نہیں ہوگا یَوۡمَ یَاۡتِیۡ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ لَا یَنۡفَعُ نَفۡسًا اِیۡمَانُہَا لَمۡ تَکُنۡ اٰمَنَتۡ مِنۡ قَبۡلُ اَوۡ کَسَبَتۡ فِیۡۤ اِیۡمَانِہَا خَیۡرًا "جس دن تمہارے رب کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی ،تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا، یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے"(انعام ۸: ۱۵۸)

آیت کا درست مفہوم

آیت کا سادہ ترجمہ اس طرح ہوگا:

(وَ اِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِہَا)

"بلاشبہ وہ (عیسیٰؑ) قیامت کے لئے دلیل ہیں تو تم اس میں ہرگز شک نہ کرو"(الزخرف ۴۳: ۶۱)

یہاں لوگوں نے "عِلم" کو "عَلم" بنا دیا۔۔۔۔۔۔عِلم کے معنی جاننا پہچاننا اور دلیل کے ہیں، جبکہ ۔۔۔۔۔عَلم کے معنی جھنڈا، نشان کے ہیں۔مگر نشانی کے لئے قرآن میں "آیت" کا لفظ آیا ہے۔دیکھیں سورہ العنکبوت آیت 50 ﴿وَ قَالُوۡا لَوۡ لَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ اٰیٰتٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰیٰتُ عِنۡدَ اللّٰہِ وَ اِنَّمَاۤ

اَنَا نَذِیرٌ مُّبِینٌ "اور بولے کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں"........اور سورہ انعام کی آیت 35 (وَ اِن کَانَ کَبُرَ عَلَیکَ اِعرَاضُهُم فَاِنِ استَطَعتَ اَن تَبتَغِیَ نَفَقًا فِی الاَرضِ اَو سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاتِیَهُم بِاٰیَةٍ وَلَو شَآءَ اللهُ لَجَمَعَهُم عَلَی الهُدٰی فَلَا تَکُونَنَّ مِنَ الجٰهِلِینَ) "اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لیے نشانی لے آؤ، اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بنو"

سورہ زخرف کی آیت 61 میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے چونکہ وہ قیامت کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ بتلا رہے ہیں کہ جب میں عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کر سکتا ہوں، مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں تو پھر اپنی مخلوق کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کر سکتا، قیامت کے وقوع کی دلیل مانگتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے آنے کی دلیل ہے۔ اس بات کی تائید میں چند تفاسیر کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

"اور یقیناً وہ قیامت کیلئے دلیل ہیں، یعنی آپ کے ہاتھوں پر جو نشانیاں (معجزات) دیئے گئے، مردوں کا زندہ کرنا اور بیماروں کو تندرست کرنا قیامت کے لئے کافی دلیل ہے، پس اس قیامت کے آنے میں شک نہ کرنا اور میری پیروی اختیار کرنا" (مختصر سیرۃ رسول۔ عبداللہ بن محمد بن عبدلوہاب)

"اور وہ مسیح علیہ السلام قیامت کی دلیل اور نشانی ہے، اس کی پیدائش، اس کی ہستی اور اس کی تعلیم سے قیامت کا ثبوت ملتا ہے، پس تم لوگ اس قیامت مین شک نہ کرو، اور تم کو جو تعلیم میرا رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتا ہے، اس کی تعمیل کرنے میں میری تابعداری کرو یہی سیدھی راہ ہے" (تفسیر ثنائی: ثناء اللہ امرتسریؒ)

"اور وہ قیامت کے یقین کا ذریعہ ہیں تو تم لوگ اس میں شک مت کرو، اور تم لوگ میرا اتباع کرو"
(بیان القرآن: اشرف علی تھانویؒ)

ایک شبہ: سورہ محمد کی آیت ۱۸ میں قیامت کے اچانک آنے کا ذکر بھی ہے اور یہ بھی ذکر ہے کہ اس کی

علامات واشراط تو آچکی ہیں۔تو کیا اس آیت کے ایک حصے کا دوسرے حصے سے تضاد ہے؟ نیز علامات آچکنے کے بعد بھی اس کے اچانک اور یکا یک آنے کی بات برقرار ہے یا نہیں؟ کیا کفار نے یہاں اعتراض کیا تھا کہ "اگر قیامت نے اچانک آنا ہے تو یہ کہنے کا کیا مطلب کہ اس کی علامتیں تو آچکی ہیں؟"

جواب: اول تو بالعموم اس آیت کا ترجمہ غلط کیا جاتا ہے اشراط تو شرط کی جمع ہے۔اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کی شرائط تو آچکیں، یعنی اب مستقبل میں مزید کوئی شرط یا نشانی باقی نہیں رہی۔لہٰذا اب قیامت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔یوں نہیں کہ ابتدائے کائنات سے ہی قیامت کے اچانک ظہور کا اعلان یا امکان موجود تھا، بلکہ قیامت کے اچانک ظہور کا اعلان ہی قرآن نے انہی آیات میں کیا ہے۔

دوسرا شبہ: سورہ النمل کی آیت ۸۲ میں قیامت سے پہلے "دابۃ الارض" کے خروج کا ذکر ہے۔ اس آیت کا قیامت کے اچانک نزول والے نظریئے سے تضاد ہے (وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ) "اور جب بات ان پر آپڑے گی ہم زمین سے ان کے لیے ایک چوپایہ نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا اس لیے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہ لاتے تھے"

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں قیامت کا ذکر نہیں دوسری بات یہ کہ اس آیت میں عموماً مفسرین سے "علیھم" اور "تکلمھم" کی ضمائر کی تعیین میں غلطی ہوئی ہے۔آیت کا سباق اس بارے میں راہنما ہے کہ اس آیت میں ھم کی ضمیریں مشرکین مکہ کی طرف راجع ہیں۔اس آیت سے پہلی دو آیات میں مردوں، بہروں اور اندھوں سے مراد مشرکین مکہ ہیں اس لئے مذکورہ آیت میں ھم کی ضمائر انہی مشرکین مکہ کی طرف رہے گی۔قرآن کے دیگر مقامات سے بھی یہ بات واضح ہے کہ مشرکین مکہ رسول اللہ سے معجزات مانگ رہے تھے۔دیکھیں سورہ العنکبوت آیت ۵۰۔۵۱، سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۰۔۹۳، سورہ الانعام کی آیت ۳۵ سے واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

خواہش کی کہ انہیں معجزات ملیں ۔اس آیت میں رسول اللہ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ جب ان مشرکین کو معجزہ دکھانے کا وقت آئے گا تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرے گا۔لیکن اس کی نوبت ہی نہ آئی ، کچھ مشرکین مکہ ایمان لے آئے ، کچھ مشرکین جنگوں میں مارے گئے باقی مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔

ایک مسلمہ اصول ہے کہ مشروط ختم ہوجائے تو شرط خود بخود ختم ہوجاتی ہے۔چونکہ اس آیت میں بھی شرطیہ بات کی گئی ہے،اور یہ شرط مشرکین کے ساتھ مشروط تھی ،جب وہ ہی نہ رہے تو شرط کی نوبت ہی نہ رہی۔

۞۞۞۞۞۞

3۔کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں؟

﴿وَّ قَوۡلِهِمۡ اِنَّا قَتَلۡنَا الۡمَسِيۡحَ عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ وَلٰـكِنۡ شُبِّهَ لَهُمۡ‌ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ‌ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ‌ ۚ وَمَا قَتَلُوۡهُ يَقِيۡنًا ۔ بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا﴾

”ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح علیہ السلام ابن مریم کو قتل کردیا،حالانکہ انہوں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی دی،مگر انہیں شبہ میں ڈال دیا گیا۔اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ غلط خیال میں ہیں،ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ،بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے،اور یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف ان کا مقام بلند فرمایا اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے“(النساء ۴:۱۵۷۔۱۵۸)

درج بالا آیات میں وَمَا قَتَلُوۡهُ وَمَا صَلَبُوۡهُ ”انہوں نے ہرگز اس کو قتل نہیں کیا“ اور بَلۡ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے” بلکہ اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا“اور وہ آسمانوں پر تا حال زندہ موجود ہیں۔

اعتراض: کیا توفیٰ اور رفع مترادف الفاظ ہیں؟

سورہ آل عمران کی آیت 55 میں دو الفاظ آئے ہیں اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ اور وَرَافِعُكَ اِلَى ......اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کا ترجمہ کیا جاتا ہے "میں تم کو پورا پورا لے لوں گا" اور رَافِعُكَ اِلَى کا ترجمہ کیا جاتا ہے "میں تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں"........ بالکل اسی طرح سورہ النساء کی آیت 158 میں بَلْ رَّفَعَهُ اللهُ اِلَيْهِ کا ترجمہ بھی "بلکہ اللہ نے انہیں (مسیحؑ) کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا" کیا جاتا ہے۔گویا قائلین نزول مسیح علیہ السلام کے مطابق رفع اور توفی مترادف الفاظ ہیں، اور دونوں کا مطلب ان کے نزدیک آسمان پر اٹھانا ہے۔مگر چونکہ سورہ آل عمران میں یہ دونوں الفاظ اکٹھے آئے ہیں وَاِذْ قَالَ اللهُ يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ اب اگر علماء کے معنوں کے مطابق اس آیت کا ترجمہ کیا جائے تو اسطرح ہوگا:

"اور جب اللہ نے فرمایا کہ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام! بے شک میں تجھے آسمان پر اٹھانے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف آسمان پر اٹھانے والا ہوں" (آل عمران ۳:۵۵)

خط کشیدہ الفاظ کا بے جا تکرار چونکہ کتاب الٰہی کے شایان شان نہیں، جو اسے کلام ربانی کے مقام سے گرا رہا ہے۔اس لئے توفیٰ کا معنی آسمان پر اٹھا لینا درست نہیں۔لہٰذا مذکورہ آیت کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس میں موجود لفظ رفع کو قرآن وحدیث کے نظائر سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

✡✡✡✡✡✡

لفظ"رفع" قرآن واحادیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت "الرافع " ہے جس کے معنی ہیں "درجات بلند کرنے والا" اور ایک صفت ہے الخافض "پست کرنے والا" قرآن مجید اور احادیث میں انہی معنوں میں یہ الفاظ مستعمل ہیں۔قرآن میں "رفع " کا لفظ جہاں بھی انسانوں کیلئے استعمال ہوا ہے وہاں بلندی درجات مراد ہیں۔

سورہ الانشراح میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیلئے فرمایا(وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ) "ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کو بلند فرمایا" (الانشراح ۹۴: ۴) یا (نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ) "ہم جس کے چاہیں درجات بلند کردیں" (یوسف ۱۲: ۷۶) اسی طرح سورہ واقعہ میں ہے خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ "(یہ قیامت) کسی کو پست کرے والی ہے اور کسی کو بلند" (الواقعہ ۵۶: ۳) یعنی قیامت میں کافر پست وذلیل ہوں گے،اور مومن بلند درجات والے اور عزت والے ہوں گے۔حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَّ رَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا "اور ہم نے اسے اونچی جگہ بلند کیا" (مریم ۱۹: ۵۷) غور کریں یہاں مَكَانًا عَلِيًّا کے ہوتے ہوئے بھی کوئی اونچی جگہ نہیں بلکہ بلندی درجات مراد ہیں۔اسی طرح سورہ اعراف میں بھی بلندی درجات مراد ہیں نہ کہ زندہ آسمان پر اٹھایا جانا وَلَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخۡلَدَ اِلَى الۡاَرۡضِ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ "اور اگر ہم چاہتے تو ان (آیات کے سبب) اس کو بلند کرتے،لیکن وہ زمین (دنیا) کی طرف مائل رہا اور اپنی خواہش کے پیچھے لگ گیا" (اعراف ۷: ۱۷۶)

احادیث میں آیا ہے مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَهُ اللہ "جو کوئی اللہ کیلئے انکساری اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند کرتا ہے" (مسلم: 6487) یعنی بلندی درجات عطا کرتا ہے۔مسلم ہی میں ہے اِنَّ اللہَ یَرۡفَعُ بِهٰذَا الۡكِتٰبِ اَقۡوَامًا وَّیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیۡنَ "اللہ اس کتاب (قرآن) کے ذریعہ قوموں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعے دوسروں کو پست کرتا ہے" (مسلم :1796)

چونکہ یہود اپنے زعم میں یہ کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی چڑھا کر اپنے مزعومہ عقیدہ کے مطابق (نعوذ باللہ) ایک ملزم کی حیثیت سے مار دیا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بے ہودہ دعووں کی تردید میں مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ اور بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ فرما کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بلندی درجات کا بطور خاص اعلان فرمایا۔

"اِلیٰ اور اِلَيْهِ" کا مفہوم

نزول مسیح علیہ السلام کے قائلین کہتے ہیں کہ جب نہ قتل ہوئے اور نہ سولی چڑھے تو ظاہر ہے کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کے تحت اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھا لیا، یا کچھ لوگوں کے نزدیک اللہ نے انہیں موت دے کر اپنی طرف اٹھالیا.........اگر اس آیت سے حضرت مسیح علیہ السلام کا زندہ یا ان کا مُردہ جسم آسمانوں پر اٹھانا مراد لیا جائے تو پھر آیت میں اِلَيْهِ کی موجودگی میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس یعنی عرش پر اٹھالیا ہے۔حالانکہ یہ معنی انتہائی غلط ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مکان و جہت کی ہر قید سے آزاد ہے، لہٰذا جسمانی طور پر اللہ کی طرف اٹھائے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ) یا (وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ) سے مراد یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف عرش الٰہی پر اٹھالیا، بلکہ یہاں پر بھی لفظ "الیٰ" اور "رفع" کا وہی مفہوم ہے جو قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر مراد لیا گیا ہے۔مثلاً انا للہ وانا الیہ راجعون "ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں" ظاہر ہے ہم سب مرنے کے بعد عرش الٰہی پر نہیں جائیں گے۔.........اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت کی تو فرمایا انی مہاجر الیٰ ربی (العنکبوت ۲۶:۲۹) "میں اپنے رب کی طرف ہجرت کر رہا ہوں" دوسرے مقام پر فرمایا انی ذھب الیٰ ربی سیھدین "میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائے گا" (سورہ احزاب ۳۳:۹۹) یقیناً

حضرت ابراہیم علیہ السلام آسمان یا عرش الٰہی پر تشریف نہیں لے کر گئے تھے۔ایک متفق الیہ حدیث کے الفاظ ہیں من ھاجر الی اللہ ورسولہ فھجر تہ الی اللہ ورسولہ" جس نے اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کیلئے ہے" (مسلم:4927)

ان تمام مقامات پر لفظ "اِلیٰ " کسی ظاہری سمت و جہت کے لئے استعمال نہیں کیا گیا بلکہ تقرب الی اللہ و الی الرسول اور اپنے اعمال و مساعی کے رخ کو اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دینے کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔لہٰذا نہ رفع کا معنی جملے کی تالیف سے مجرد ہو کر طے کیا جاسکتا ہے اور نہ اس مجرد معنی کی روشنی میں قبل و بعد کے اجزاء کی تاویل کی جا سکتی ہے ۔ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا کے دونوں اجزاء ان کے معطوف علیہ یعنی اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کی بناء پر طے ہوں گے۔چنانچہ جب توفی کے معنی قطعی طور پر "قبض جان" یعنی وفات کے ہیں تو بعد کے الفاظ سے ایسا مفہوم اخذ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، جو وفات کے خلاف یا اس سے مغائر ہو۔

سورہ النساء آیت 157-158 کی درست تشریح

آیت میں یہودیوں کے دو دعووں کی تردید ہے۔یہود اپنے زعم میں یہ کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر قتل کیا ہے۔وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ تو اللہ تعالیٰ ان باتوں کی تردید میں فرماتے ہیں کہ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ "اور ان (یہودیوں) نے اسے قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا" اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس دعوے کو ظن کی پیروی کہہ کر رد کر دیا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ اب بعد والوں میں یہ باتیں کیوں مشہور ہو گئیں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ "لیکن (حقیقت حال) ان کے لئے مشتبہ کر دی گئی" اور حقیقت احوال وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران آیت ۵۵ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وعدہ کی صورت میں فرمایا کہ (<u>اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ</u> وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ) "<u>بے شک میں تمہیں وفات</u>

دینے، اور اپنے ہاں بلند مقام عطا کرنے والا ہوں"

شُبِّہَ ماضی مجہول ہے جس میں فاعل نا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے مفسرین نے فاعل اللہ تعالیٰ کو مراد لیا ہے اور اسرائیلی روایات کی روشنی میں یوں لکھا ہے کہ اللہ نے کسی دوسرے شخص کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل کر دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ اٹھالیا، اس ہم شکل کو لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی دے دی، اسطرح لوگوں پر حقیقت حال مشتبہ ہوگئی۔

اللہ کے بندو! اللہ ان باتوں سے پاک ہے کہ وہ انسانوں کو شکوک وشبہات میں ڈالے، بلکہ اللہ تو اپنے بندوں کو شکوک وشبہات سے نکالنے والا ہے۔.......... بات اصل میں یہ ہے کہ عوام کو شکوک وشبہات میں ڈالنے والے علمائے سوء اور پیران ضلالت ہوتے ہیں، انہوں نے عوام کو دھوکہ میں مبتلا کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا (وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ ؕ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ) "اور یقینا وہ لوگ جنہوں نے اس کے بارے اختلاف کیا ہے، اس کے متعلق بڑے شک میں ہیں اس کے متعلق ان کے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے گمان کی پیروی کے" تفسیر بیضاوی میں ہے کہ "کوئی بھی قتل نہیں ہوا لیکن آپؑ کے قتل کا جھوٹا پروپیگنڈا کیا گیا اور وہ لوگوں میں پھیل گیا"

۞۞۞۞۞۞

عقیدہ نزول مسیح علیہ السلام اور مرزائیت

مرزائیت کی اساس قرآن اور روایاتِ نزول مسیح علیہ السلام کی تاویلات کا معجون مرکب ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مسلمانوں کے نزول مسیح علیہ السلام کے عقیدہ میں اسطرح تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔

۱۔ نزول مسیحؑ کے قائلین آمد مسیح علیہ السلام خود مانتے تھے، لہٰذا اس ضمن میں وہ خود مرزا سے متفق تھے۔

۲۔ نزول مسیح علیہ السلام کے قائلین روایات کے مطابق مانتے تھے کہ مسیح علیہ السلام نبی تو ہوں گے، لیکن صاحب شریعت نہیں ہوں گے، بلکہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوں گے، اور اسطرح ان کے آنے سے عقیدہ ختم نبوت پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔ یہی دعویٰ مرزا قادیانی کا تھا کہ میں نبی تو ہوں، لیکن کوئی نئی شریعت نہیں رکھتا، بلکہ شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع ہوں۔

۳۔ اب لے دے کر متنازہ مسئلہ یہ رہ جاتا کہ مولوی صاحبان آنے والے کو اصلی مسیح علیہ السلام ابن مریم بتاتے، مگر مرزا کہتا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ لہٰذا آنے والا مسیح علیہ السلام نہیں بلکہ مثیل مسیح ہوگا۔ بنابریں ساری بحث حیات وممات پر مرتکز ہو کر رہ جاتی۔ اور چونکہ وفات مسیح علیہ السلام کا تصور قرآن کریم کے مطابق ہے۔ اس لئے بحث کا نتیجہ مرزا قادیانی کے حق میں جاتا۔ اور جو شخص وفات مسیح علیہ السلام کو مان لیتا، وہ مسیح علیہ السلام کی بجائے مثیل مسیح علیہ السلام کا خود بخود قائل ہو جاتا۔

۴۔ مرزا قادیانی آمد مسیح علیہ السلام کے عقیدہ کو روایات سے ثابت کرتا، اور وفات مسیح علیہ السلام قرآن سے۔ لیکن جب فریق مقابل حیات مسیح علیہ السلام کو حدیثوں سے ثابت کرنے لگتا۔ مرزا کہہ دیتا کہ جو چیز قرآن

سے ثابت ہو، اگر احادیث اس سے معارض ہوں تو انہیں یا تو غلط قرار دینا چاہیے، یا ان کی قرآن کے مطابق تاویل کرنی چاہیے۔ اس پر نزول مسیح علیہ السلام کے قائلین لاجواب ہو جاتے، اس طرح بہت سے لوگ مرزائیت کی گود میں چلے جاتے۔

تصریحات بالا کے مطابق غور فرمائیں کہ مرزائیت کا سارا مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام کے غیر قرآنی اور روایات سے اخذ شدہ عقیدہ کے گرد گھومتا ہے۔